



دام ہمرنگ زمیں

مفتی منیب الرحمن

دام کے معنی ہیں: ”جال، پھندا“ اور دامِ خزویر کے معنی ہیں: ”مکر کا جال، فریب کا پھندا“۔ دام ہمرنگ زمیں سے مراد یہ ہے کہ شکاری اپنے پسندیدہ شکار کو پھنسانے کے لیے زمین پر ایسا جال بچھاتا ہے جو زمین کے رنگ سے ملتا ہو، جسے ہم مٹیا لایا خاکستری رنگ کہتے ہیں۔ شکار اپنے رزق کی تلاش میں گھومتا پھرتا ہے اور اچانک جال میں پھنس جاتا ہے۔ ہمیں جس دہشت گردی کا سامنا ہے، یہ ہمارا کھلا دشمن نہیں ہے کہ میدانِ جنگ میں براہِ راست آنا سامنا ہو اور معرکہ آرائی کے بعد فتح و شکست کا فیصلہ ہو جائے۔ یہ عدوِ مستور ہے اور دہشت گردی کے سانحات میں اقدام یا پہل اُس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، وہ اپنے ہدف کا تعین کرتا ہے، اُس کے لیے اپنی کمین گاہ اور سہولت کا تلاش کرتا ہے، اپنے ہدف پر فیصلہ کن ضرب لگانے کے لیے مسلسل جائے واردات کی ریکی کرتا ہے اور پھر اچانک حملہ کر دیتا ہے، یہ ایک ناخوشگوار حقیقت ہے۔ الغرض یہ ”دام ہمرنگ زمیں“ ہے اور ان کے ہمدرد ہر جگہ موجود ہیں، خواہ نظریاتی ہوں یا وہ جن کا دین و ایمان صرف پیسا ہے۔

اس جال سے بچنے کے لیے بلند بانگ دعوے کرنا یا ردِ عمل میں آکر حکمت و تدبیر سے عاری کارروائیاں بعض اوقات منفی نتائج کی حامل ہوتی ہیں اور اس کے ردِ عمل میں مزید نفرت جنم لیتی ہے۔ اس کا طریقہ ایک مؤثر، جامع اور سرِ بُخِ انحرکت انٹیلی جنس نیٹ ورک ہے کہ دہشت گردی کی کسی بھی کارروائی کا منصوبہ بنانے والوں پر اُن کے اقدام سے پہلے ضرب لگائی جاسکے اور اُس کا قلع قمع کیا جاسکے۔ دہشت گردی کی منصوبہ بندی کے مراکز افغانستان میں ہیں، یہ ایک ایلیسی سلسلہ واردات ہے، افغان حکومت کی پشت پناہی، بھارت کی تیکنیکی مہارت اور سرمایہ بھی انہیں وافر مقدار میں میسر ہے، یہ نیٹ ورک صرف افغانستان یا قبائلی علاقہ جات تک محدود نہیں ہے، بلکہ ملک کے اندر دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ہم سے ماضی میں بے تدبیری بھی ہوئی ہے، سوات مالاکنڈ آپریشن کے اعلان سے پہلے ان دہشت گرد روپوں اور اس مافیا کے سرغنوں کے ارد گرد دفاعی حصار قائم کرنا ضروری تھا تا کہ وہ وہاں سے بھاگ کر نہ جاسکتے۔ ہم نے ایک بڑا آپریشن بھی کیا، لوگوں کو بے گھر اور در بدر بھی کیا، لیکن جو لوگ مالاکنڈ اور سوات میں فساد برپا کرنے والے تھے، اُن کی پوری لیڈر شپ محفوظ طریقے سے افغانستان منتقل ہو گئی اور وہاں انہوں نے اپنے مستقل اڈے قائم کر دیے، کیا ہم نے کبھی اس کا جائزہ لے کر اپنی حکمت عملی کی ناکامی کا اعتراف کیا ہے؟۔

نیکلا کے ادارے کے فعال نہ ہونے کا سبب بھی کوئی سرِ بستہ راز نہیں ہے۔ نیکلا کے معنی ہیں: ”قومی ادارہ برائے انسداد

دہشت گردی“۔ نیکیا کی بنیادی روح تو یہ تھی کہ تمام انٹیلی جنس ادارے ایک چھت کے نیچے آجائیں، سب طرف سے معلومات یکجا ہوں، ان کی چھان بین کی جائے اور پھر اُس کے سبب باب کے لیے ایک جامع اور مربوط حکمت عملی وضع کی جائے جس میں رازداری کا بھی پورا اہتمام ہو۔ مگر ایسا نہیں ہو سکا اور شاید مستقبل قریب میں بھی نہ ہو سکے، سوائے اس کے کہ اسے ایک آزاد و خود مختار اتھارٹی بنا دیا جائے اور کسی حاضر سرورس یا ریٹائرڈ جنرل کو اس کا سربراہ بنایا جائے۔ لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا آئی ایس آئی کے ہوتے ہوئے ایک متبادل ادارے کی ضرورت ہے یا آئی ایس آئی کے اعلیٰ ذمے داران اس کی چھتری تلے جانا پسند فرمائیں گے۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو سعی لا حاصل کی کیا ضرورت ہے اور ایک بے مقصد ادارے پر اتنے مالی وسائل صرف کرنے کا ماحصل کیا ہے، کیا اداروں پر ادارے بنائے چلے جانا ہی ہماری اجتماعی دانش کی معراج ہے۔ ایسا ادارہ آگے چل کر مفید ثابت ہو یا نہ ہو، اُس کے انتظامی ڈھانچے پر ایک وقیع رقم صرف ہو جاتی ہے اور آخر میں یہ دفاتر اور افسران کا ایک مجموعہ اور چند لوگوں کے روزگار کا ذریعہ بن کر رہ جاتا ہے، آفات سے تحفظ اور بحالی کے قومی ادارے NDMC کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ خالص فوجی سربراہی میں قائم اداروں کی بابت ہر دور میں سیاسی حکمرانوں کو یہ خدشات لاحق رہتے ہیں کہ یہ ادارے اپنے اصل مینڈیٹ سے انحراف کر کے رول حکومتوں کو عدم استحکام سے دوچار کرنے اور گرانے کے مشاغل میں مصروف ہو جاتے ہیں، ”اس کا بھی کوئی علاج، اے چارہ گراں! ہے کہ نہیں۔“

امریکہ میں نائن الیون کے بعد ملک کی داخلی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے ہوم لینڈ سیکورٹی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا اور ملک کے تمام ادارے اُس کے ساتھ میٹ ورک میں منسلک ہو گئے۔ ملک میں داخل ہونے والے یا ویزے کے لیے درخواست دینے والے ہر شخص کے کوائف سینٹرل پوسٹ میں جمع ہوتے ہیں اور تمام اداروں سے کلیئرنس لی جاتی ہے۔ اسی طرح شینگن کے نام سے یورپ کے 26 ممالک پر مشتمل ایک مرکزی ویزا اسٹم بنایا گیا، کوئی شخص اُن میں سے کسی ایک ملک کے ویزے کے لیے درخواست دے تو اُس کی مکمل معلومات تمام رکن ممالک کو فراہم کی جاتی ہیں، پھر سب طرف سے این اوسی ملنے کے بعد ویزا جاری کیا جاتا ہے اور اس کے بعد اس ویزے کا حامل شنگن ممالک میں ایک مقامی مسافر کی طرح بغیر کسی امیگریشن چیک کے سفر کر سکتا ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ دہشت گردی اور اقتصادی ترجیحات کے حوالے سے ہمارا کوئی مشترکہ قومی ایجنڈا نہیں ہے، رول عدالتوں کی بوجہ ناکامی کے باوجود فوجی عدالتوں کے قیام پر پارلیمانی قیادت کے اتفاق رائے میں دشواری کا سامنا ہے۔ دہشت گردی کی حالیہ لہر کا آغاز لاہور سے ہوا، پنجاب پولیس کے دو اعلیٰ رینک کے افسران شہید ہوئے اور ابھی اُن کی تدفین بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہمدردی کے دو بول بولنے کی بجائے ہمارے ایک رہنما نے پنجاب پولیس کو اپنے نشانے پر رکھ لیا، حالانکہ یہ فریضہ پہلے بھی انجام دیتے رہے ہیں اور اس سانحے کے بعد بھی ایسا کر سکتے تھے، مگر انہوں نے اپنے سیاسی حریف پر حملہ آور ہونے کے لیے



شاید اسے بہترین موقع سمجھا۔ اُس سے اگلے روز صوبہ خیبر پختونخوا میں جج صاحبان کو دہشت گردوں نے ہدف بنایا، تو کیا اُن کے سیاسی حریف بھی انہی کے شکار کو اپناتے ہوئے پختونخوا حکومت یا پولیس پر حملہ آور ہو جاتے، پھر صوبہ بلوچستان میں دہشت گردی کی کارروائی ہوئی اور ہمارے سلامتی کے اداروں کے ذمے داران کو نشانہ بنایا گیا اور آخر میں سہون شریف میں حضرت عثمان مروندی رحمہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ کو نشانہ بنایا گیا اور اس میں سب سے زیادہ جانی نقصان ہوا۔

ہم آپس میں تقسیم ہو جاتے ہیں، لیکن دہشت گرد اپنی ذہنی نہاد اور حکمتِ عملی کے اعتبار سے باہم مربوط رہتے ہیں۔ ہمیں یکسو ہونا چاہیے کہ دہشت گرد ہم سب کے دشمن ہیں، وہ اسلام، انسانیت، ملک و وطن اور پوری قوم کے دشمن ہیں اور کسی رُورِ عایت کے مستحق نہیں ہیں۔ ایک قومی اخبار میں ایک نامور صاحبِ قلم نے دھمال کے فضائل پر لکھا ہے۔ ہمارے نزدیک دھمال اور مردوزن کے مخلوط رقص کا ہماری دینی روایات سے نہ کوئی تعلق ہے اور نہ اس کا کوئی شرعی جواز ہے۔ اس کلچر کی وجہ سے آوارہ منش اور نشے کے عادی لوگ وہاں آتے ہیں اور اس کا تہوُف و روحانیت اور عرفان و احسان سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی ضد ہے۔ اسی طرح اکابرِ علمائے احناف کے نزدیک عورتوں کو مزارات پر نہیں جانا چاہیے اور موجودہ خرابیوں کو دیکھا جائے، تو پابندی کی حکمت سمجھ میں آتی ہے۔ محکمہ اوقاف اس لیے قائم کیا گیا تھا کہ مزارات پر بے اعتدالیاں ہو رہی تھیں اور بعض جگہ سجادگان اور مزارات کے متوتی اپنے مفادات کے لیے ان غیر شرعی بے اعتدالیوں کا سد باب نہیں کرتے تھے۔ لیکن اب اوقاف کے ذمے داران نے ان کی جگہ لے لی ہے اور صورت حال پہلے سے ابتر ہو چکی ہے۔ محکمہ اوقاف کی بہت سی مساجد میں محکمے کی طرف سے مقررہ امام ڈیوٹی پر موجود نہیں ہوتے اور وہاں لوگوں کو الگ سے امام کا انتظام کرنا ہوتا ہے، اسی طرح اوقاف کے زیرِ اہتمام مساجد کی تزئین و آرائش اور دیگر ضروریات کا اہتمام بھی لوگوں کے چندے سے ہوتا ہے۔ سومزارات کے نظام میں اصلاح کی شدید ضرورت ہے اور اس کے لیے اہلسنت و جماعت کے ثقہ علماء کا ایک گران بورڈ بنانا چاہیے۔ اگر کوئی وقف اہل تشیع کا ہے، تو اُس کا انتظام اُن کے علماء کی نگرانی میں دیا جاسکتا ہے۔

کراچی میں رینجرز کے آپریشن کی وجہ سے اغوا برائے تاوان اور بڑے پیمانے پر بھتہ پرچیوں کا تو کافی حد تک سد باب ہوا ہے، یعنی عمودی اعتبار سے بہتری آئی ہے، لیکن اس مافیا کے کارندے جا بجا پھیل گئے ہیں اور اب گلی کوچوں میں موٹر سائیکل، پرس، موبائل اور لوگوں سے رقم چھیننے کی وارداتیں زیادہ ہونے لگی ہیں۔ میں نے ایک ذمے دار پولیس افسر سے پوچھا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ مفت خوری اور حرام خوری کے عادی لوگوں نے اب اسے اپنا روزگار بنالیا ہے۔ دوسری جانب صوبائی حکومت رینجرز کو اختیارات دینے میں ہمیشہ تحفظات کا شکار رہتی ہے۔ سابق مدت ختم ہونے کے بعد دو ماہ سوچ بچار میں لگ جاتے ہیں اور پھر مارے باندھے دو ماہ کا اختیار دیا جاتا ہے، ایسے عارضی اور نیم دلی کے اقدامات سے دیر پا امن کیسے قائم ہو سکتا ہے۔